چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مگھالوی

(قسط ۶)

قاعدہ نمبر ۴۴:

"اَعْمَالُ الْكَلَامِ اَوْلٰی مِنْ اِهْمَالِهٖ مَتٰی اَمْكَنَ فَاِنْ لَّمْ يُمْكِنْ اُهْمِلَ "

(کلام پر عمل کرنا اسے مہمل چھوڑنے کی نسبت اولیٰ ہے جب تک اس پر عمل ممکن ہو اور اگر اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو اسے مہمل چھوڑ دیا جائے)۔

یعنی جب ایک عاقل بالغ انسان گفتگو کرے تو اس کی گفتگو اور کلام کو لغو اور مہمل قرار دینے کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کلام سے معانی اور مفہوم اخذ کیا جائے لہٰذا اگر اسے اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا ممکن ہو تو فبہا۔ ورنہ اسے مجازی معنی پر ہی محمول کر دیا جائے۔ کیونکہ علمائے اصول کا اس پر اتفاق ہے کہ:

"اِنَّ الْحَقِيْقَةَ اِذَا كَانَتْ مُتَعَذِّرَةً فَاِنَّهٗ يُصَارُ اِلَى الْمَجَازِ"

(جب کسی لفظ سے حقیقی معنی مراد لینا مشکل اور متعذر ہو تو اسے مجازی معنی کی طرف پھیر دیا جائے گا)

اور اگر کلام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لینے محال ہوں تو پھر اسے لغو اور مہمل قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ کتب اصول میں مذکور ہے:

"وَاِنْ تَعَذَّرَتِ الْحَقِيْقَةُ وَالْمَجَازُ اَوْ كَانَ اللَّفْظُ مُشْتَرِكًا بِلَا مُرَجِّحٍ اُهْمِلَ لِعَدَمِ الْاِمْكَانِ"

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے یہ قسم کھائی "وَاللّٰهِ لَا يَاْكُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ اَوْ هٰذَا الدَّقِيْقِ" (قسم بخدا وہ یہ کھجور یا یہ آٹا نہیں کھائے گا) تو اس کلام میں لفظ النخلہ کا اطلاق کھجور کے درخت سے حاصل

☆الایمان مبنیة علی الالفاظ لا علی الاغراض ☆قسم کا دارومدار الفاظ پر ہوتا ہے اغراض پر نہیں

ہونے والے اس پھل پر ہوگا جسے کھایا جاتا ہے اور مارکیٹ میں بیع وشراء کے وقت اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح لفظ دقیق کا اطلاق آٹے کی ایسی حالت پر ہوگا جس میں وہ کھانے کے قابل ہوتا ہے یعنی روٹی وغیرہ لہٰذا ان چیزوں کے استعمال سے تو وہ حانث ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس اگر اس نے کھجور کا درخت کھانا شروع کر دیا یا آٹا پھانکنا شروع کر دیا تو اس سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ کلام کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرنا عرفاً متعذر ہے۔

۲۔ اگر کسی نے بیوی کے متعلق کہا "ہذہ بنتی (یہ میری بیٹی ہے)" "لَمْ تَحْرُمْ بِذَالِکَ اَبَدًا" تو اتنا کہنے سے وہ اس پر حرام نہیں ہوگی کیونکہ کلام میں موجود لفظ بنت کو حقیقی اور مجازی دونوں معنوں پر محمول کرنا متعذر ہے، اس لئے اس کا کلام لغو جائے گا۔

۳۔ اگر کسی نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو کہا "اَنْتَ طَالِقٌ اَرْبَعًا" (تجھے چار طلاقیں) اور اس کے جواب میں اس نے کہا مجھے تین ہی کافی ہیں تو پھر مرد نے کہا "اَوْ قَعْتُ الزِّیَادَۃَ عَلٰی فُلاَنَۃٍ" (کہ میں نے زائد طلاق فلانہ پر واقع کر دی ہے) تو اتنا کہنے سے دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر اس نے یہ کہا "اَلثَّلاَثُ لَکَ وَالْبَاقِیْ لِصَاحِبَتِکِ" (کہ تین تیرے لئے ہیں اور باقی تیری صاحبہ کے لئے) تو اس سے بھی دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس میں عمل ممکن نہیں۔

"لِاَنَّ الشَّارِعَ حَکَمَ بِبُطْلاَنِ مَا زَادَ فَلاَ یُمْکِنُ اِیْقَاعُہٗ عَلٰی اَحَدٍ"

(الاشباہ والنظائر، ص ۱۳۵)

(کیونکہ شارع علیہ السلام نے تین سے زائد طلاقوں کے باطل ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے اسے کسی پر واقع کرنا ممکن نہیں)۔

۴۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ ملا کر کہا "اِحْدَاکُمَا طَالِقٌ" تم میں سے ایک کو طلاق) تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اس کے برعکس بیوی کے ساتھ کسی دیوار، مرد یا حیوان وغیرہ کو ملا کر کہا "اِحْدَاکُمَا طَالِقٌ" تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ دیوار وغیرہ محل طلاق نہیں بن سکتی اس لئے کلام پر عمل کرتے ہوئے اس کا رخ بیوی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

۵۔ اگر کسی نے بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِیْ" (تجھے میری موت کے ساتھ طلاق) یا کہا

اَنْتِ طَالِقٌ مَعَ مَوْتِکِ (تجھے تیری موت کے ساتھ طلاق) تو ان دونوں صورتوں میں کلام لغو جائے گا اور طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس کلام میں طلاق کی نسبت ایسی حالت کی طرف کی جا رہی ہے جو صراحۃً طلاق کے منافی ہے کیونکہ پہلی صورت میں خاوند کی موت سے اس میں طلاق دینے کی اہلیت باقی نہیں رہی جبکہ دوسری صورت میں بیوی کی موت سے محل طلاق ہی باقی نہیں رہا۔ نتیجتاً کلام پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

٦۔ اگر کسی نے کہا "وَقَفْتُ عَلٰی اَوْلَادِیْ هٰذَا الشَّیْءَ" (میں نے یہ شئی اپنی اولاد (بچوں) کے لئے وقف کی) اور صورت حال یہ ہو کہ اس کی اولاد صرف **اولاد الاولاد** (پوتے) ہی ہو تو اس کے الفاظ کو مجازاً ان ہی پر محمول کیا جائے گا تا کہ کلام لغو ہونے سے محفوظ رہے۔

قاعدہ نمبر ۲۵:

"کَلَامُ صَاحِبِ الشَّرْعِ اِذَا کَانَ مُحْتَمِلًا اِحْتِمَالَیْنِ عَلَی السَّوَاءِ صَارَ مُجْمَلاً وَلَیْسَ حَمْلُهٗ عَلٰی اَحَدِهِمَا بِاَوْلٰی مِنْ حَمْلِهٖ عَلَی الْاٰخَرِ"

(شارع کا کلام جب دو مساوی احتمال رکھتا ہو تو وہ مجمل ہوگا اور اسے دوسرے کی نسبت صرف ایک پر محمول کرنا اولیٰ نہیں ہوتا)۔

مثالیں:

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ" (البقرہ: پ۲، ۲۲۸) (مطلقات تین قروء اپنے آپ کو روکے رکھیں)۔ اس آیت طیبہ میں لفظ "قــــروء" عورت کی عدت کے بارے میں مجمل ہے کیونکہ یہ دو معنوں کا مساوی احتمال رکھتا ہے یعنی حیض اور طہر۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ پوری آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثلٰثہ کا لفظ اس کا معنی متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کے مابین خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک ثلٰثہ قروء سے مراد تین حیض ہیں کیونکہ ثلٰثہ کا اطلاق پورے تین کے عدد پر ہوتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ پر اس کا صدق ممکن نہیں۔ اس لئے اگر قروء سے مراد تین طہر لئے جائیں تو وہ مکمل تین

نہیں ہو سکتے بلکہ وہ یا تین سے کم ہوں گے یا تین سے زیادہ مگر اس کے برعکس شوافع کے نزدیک ثلٰثہ قروء سے مراد تین طہر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ثلٰثہ کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے چاہے وہ عدد مکمل ہو یا نہ ہو۔

۲۔ اسی طرح لفظ ''مولیٰ'' ہے یہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے ہی آقا اور غلام دونوں معنوں میں مشترک ہے اور اس کا اطلاق دونوں معنوں پر مساوی ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اس لئے اگر کسی نے اپنے موالی کے لئے مال کی وصیت کی درآں حالانکہ اس کے دونوں قسم کے موالی موجود ہوں یعنی موالی اسفل اور موالی اعلیٰ تو ایک معنی متعین نہ ہونے کے سبب یہ وصیت قابل عمل نہیں ہوگی۔ ایسے اجمال کو ختم کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ متکلم بذاتِ خود اس کی تفسیر بیان کردے۔

قاعدہ نمبر ۲۶:

"اِذَا جَآءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ"

(جب احتمال آجاتا ہے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے)۔

تنبیہ:

استدلال ہمیشہ ایسے احتمال سے باطل ہوتا ہے جو راجح اور اقویٰ ہو۔ اور اگر احتمال ضعیف یا مرجوح ہو تو اس سے استدلال باطل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ہر عام باطل ہوگا کیونکہ اس میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ صرف وہی احتمال ساقط ہوتا ہے جو ناشئی عن الدلیل نہ ہو۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی عورت کے خلاف قاضی کے پاس چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی مگر بعد میں چند عورتیں پیش ہوئیں اور انہوں نے اس عورت کے باکرہ یا ارتقاء (جس کی ہڈی بڑھی ہوئی ہو) ہونے کی شہادت دی تو اس شہادت سے اس عورت سے حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی مرد کے خلاف زنا کی شہادت مکمل ہو مگر بعد میں اس کے مجبوب (ذکر کٹا)

☆ تخصيص العام بالنية مقبولة ديانة لا قضاء ☆

ہونے کی شہادت موصول ہو جائے تو اس سے بھی حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں شاہدوں کی تعداد حد زنا ثابت کرنے کے لئے مکمل ہے۔مگر اس کے خلاف ان کی شہادت نے شہادت میں جھوٹ کا احتمال پیدا کر دیا ہے۔لہٰذا اس احتمال سے استدلال باطل ہو جائے گا اور حد زنا ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ اگر حد زنا کے ثبوت کے لئے چار افراد نے شہادت دی مگر بعد میں ان کا فسق و فجور ثابت ہوگیا تو ثبوت حد کے لئے ان کی شہادت رد کر دی جائے گی کیونکہ فسق کے ظہور کے سبب کذب کا احتمال پیدا ہو گیا ہے۔اور جب حدود میں احتمال آ جاتا ہے تو وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

۳۔ اگر قتل کے دو گواہوں کے مابین زمان و مکان کا اختلاف ہو جائے یعنی ایک نے کہا کہ دن کے وقت شہر سے باہر قتل کیا گیا جبکہ دوسرے نے کہا کہ رات کے وقت شہر کے اندر قتل کیا گیا یا دونوں کے مابین آلہ قتل میں اختلاف ہو جائے یعنی ایک نے کہا کہ اسے لاٹھی سے قتل کیا گیا اور دوسرے نے کہا مجھے اس کا علم ہی نہیں کہ اسے کس سے قتل کیا گیا ہے تو اس اختلاف کے سبب ان کی گواہی باطل ہو جائے گی کیونکہ اس میں جھوٹ کا احتمال موجود ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۷:

"اَلضَّرَرُ یُزَالُ"

(ضرر (نقصان) کا ازالہ کیا جائے گا)۔

مذکورہ اصول کی اصل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْإِسْلَامِ" (اسلام میں نقصان اٹھانا اور کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں)۔

اس قاعدہ کی فروعات کثیر ہیں، جن میں تدبر کرنے سے شریعت اسلامیہ کا یہ مؤقف اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کسی فرد یا جماعت کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدل کے ثبوت اور ظلم و تعدی کے ازالہ کے لئے دوسرے کو نقصان پہنچائے تا کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے حقوق اطمینان اور آسانی کے ساتھ حاصل کر سکے۔

☆عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃً مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاءً☆

مثالیں:

۱۔ اگر کسی مقروض نے اپنی جائیداد وقف کر دی درآنحالانکہ وقف سے قبل اس نے اپنا قرض ادا نہ کیا تو اس کا یہ وقف کالعدم ہوگا کیونکہ وقف کے ذریعے اس نے اپنے قرض خواہوں کو قرض سے محروم کر کے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وقف سے قبل اپنا قرض ادا کرے۔

۲۔ شفعہ کا حق بھی اسی قاعدہ سے متعلق ہے اگرچہ ایک عاقل و بالغ اور آزاد انسان اپنا حق ملکیت استعمال کرتے ہوئے اپنی زمین یا مکان فروخت کرتا ہے اور اس میں کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنا حق اس طرح استعمال کرے جو اس کے شریک فی الملک اور پڑوسی کے لئے نقصان دہ ہو تو پھر انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے امن وسکون کی پاسبانی اور تکلیف ونقصان سے اپنی حفاظت کے لئے عدالت کے دروازہ پر دستک دیں اور فروخت شدہ زمین و مکان کے خلاف شفعہ کا دعویٰ دائر کر دیں تاکہ بعد ازاں کسی کو اس طرح دوسروں کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہو۔

۳۔ اگر کسی کے صحن میں طویل شاخوں والا اتنا بڑا پھلدار درخت ہو کہ اس کی شاخیں پڑوسی کے گھر تک پہنچی ہوئی ہوں تو اس کے لئے ایسے شخص کے ہاتھ درخت فروخت کرنا جائز نہیں جس کے پھل توڑنے کے لئے درخت پر چڑھنے کے سبب پڑوسی کی عورتوں کو بار بار پردہ کی ضرورت محسوس ہو، اگر پڑوسی کے روکنے کے باوجود درخت کے مالک نے ایسا کیا تو پھر اسے عدالت کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہے لہٰذا اس کا معقول اور احسن طریقہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں مالک بذاتِ خود پھل توڑ لے اور پھر اسے فروخت کر دے۔

۴۔ مبیع میں عیب ہونے کے سبب اسے واپس لوٹانے کا اختیار، قصاص، حدود، کفارات کی مشروعیت اور دیگر تلف شدہ اشیاء کی ضمانت وغیرہ مسائل اسی اصول کے تحت آتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۲۸:

"اَلضَّرَرُ لَا یُزَالُ بِالضَّرَرِ"

(نقصان کا ازالہ نقصان کے ساتھ نہیں کیا جائے گا)۔

یعنی ایک حقدار سے اس کا حق چھین کر دوسرے محروم کو دینا جائز نہیں۔

مثالیں:

۱۔ ایک انسان شدید بھوک کی لپیٹ میں ہو اور بڑی تگ و دو کے بعد اس نے کہیں سے کھانا حاصل کیا اتنے میں اسی طرح کا ایک اور شخص آ جائے تو کسی کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں کہ وہ پہلے سے کھانا چھین کر دوسرے کے حوالے کر دے کیونکہ تکلیف کا ازالہ تکلیف سے کرنا جائز نہیں۔

۲۔ اگر ایک کارخانہ دار کم اجرت کے عوض مزدوروں سے زیادہ کام لیتا ہے تو اس مسئلہ کے حل کے لئے ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے کہ اس سے کارخانہ چھین لیا جائے کیونکہ ظلم کا ازالہ ظلم سے کرنا جائز نہیں ہاں البتہ کارخانہ دار کو مزدوروں کی اجرت بڑھانے کا پابند بنانا درست ہے۔

۳۔ اگر کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کر دیا تو مقتول کے ورثاء کے لئے انتقاماً قاتل یا اس کے کسی رشتہ دار کو قتل کرنا قطعاً جائز نہیں کیونکہ ایک ظلم کا ازالہ دوسرے ظلم کے ساتھ کرنے کے سبب قتل کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو ختم ہونے کا نام نہیں لے گا اس لئے مقتول کے ورثاء کو چاہئے کہ وہ قاتل کو قرار واقعی سزا دلوانے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کریں پھر چاہے تو قاضی اس کے لئے قصاصاً قتل کرنے کا حکم صادر کرے یا دیگر اسباب کی بناء پر اس کے لئے کوئی اور سزا تجویز کرے۔

قاعدہ نمبر ۲۹:

"یُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُ لِاَجْلِ دَفْعِ الضَّرَرِ الْعَامِ"

(ضرر عام دور کرنے کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جا سکتا ہے)۔

شریعت اسلامیہ نے فرد اور جماعت دونوں کے مصالح اور مفادات کی محافظت کا ذمہ اٹھا رکھا ہے اور یہ ہر ایک کے حقوق کی پاسداری کا درس دیتی ہے۔ مگر جہاں دونوں کے منافع اور مفادات باہم متعارض آ جائیں تو پھر ایسے حالات میں جماعت کے مفادات کو فرد کے مفاد پر ترجیح دینے کا درس بھی دیتی ہے اسی لئے پوری قوم کو ضرر اور نقصان سے بچانے کے لئے اگر چند افراد کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

☆ الولایة الخاصة اقوی من الولایة العامه ☆ ولایتِ خاصہ ولایتِ عامہ کی نسبت قوی ہوتی ہے

مثالیں:

۱۔ ایسا طبیب یا ڈاکٹر جو اپنے ناقص علم اور ناتجربہ کاری کے سبب عام لوگوں کی موت اور ان کی تکالیف میں اضافہ کا سبب بن رہا ہو تو اسے پریکٹس سے روک دینا جائز ہے اگرچہ اس کے پاس لوگوں کی آمدورفت اپنی مرضی اور پسند سے ہوتی ہے مگر اس کے باوجود عامۃ الناس کو اس کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس پر پابندی عائد کرنا جائز ہے کیونکہ ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص قابل برداشت ہوتا ہے۔

۲۔ اگر کسی امیر اور دولت مند آدمی کے ورثاء میں ایسا شخص ہو جو دیگر ورثاء کے حقوق کا خیال رکھے بغیر اس کی مجموعی دولت وثروت شراب وکباب اور دیگر فضولیات میں ضائع کرنا شروع کردے تو اسے دیگر ورثاء کے حقوق کی حفاظت کے لئے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا جائز ہے، گو اس میں اسے تصرف سے منع کرنے پر اس کا نقصان ہے مگر ضرر عام کے مقابلہ میں ضرر خاص برداشت کیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر کوئی ذخیرہ اندوز اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کی خاطر مال خرید کر اسٹور کرنا شروع کردے تو عوام الناس کو اس کے شر سے بچانے کے لئے اس کی خرید وفروخت پر پابندی لگانا جائز ہے اور ایسے حالات میں اس کا سامان جبراً فروخت کرنا بھی جائز ہے اگرچہ بیع وشرا میں ہر انسان آزاد ہے مگر ایسے حالات میں عامۃ الناس کے مفاد کی خاطر بعض مخصوص افراد پر پابندی عائد کرنا جائز ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اشیاء کا نرخ مقرر کرنا بھی جائز ہے تاکہ کسی کو بلیک مارکیٹنگ اور ذخیرہ اندوزی کی جرأت نہ ہو۔

۴۔ اگر کسی کی دیوار شارع عام کی طرف جھک جائے اور کسی بھی وقت اس کے گرنے سے عام نقصان کا اندیشہ ہو تو اس موہومہ نقصان سے بچنے کے لئے دیوار کے مالک کو دیوار اکھیڑنے کا حکم دینا جائز ہے اور اس کی تعمیل اس کے ذمہ لازم ہے۔

۵۔ اگر کسی مقروض نے اپنے قرض خواہوں کو قرض واپس کرنے سے انکار کردیا یا صرف لیت ولعل سے ہی کام لیتا رہے مگر ادا کرنے کا نام نہ لے تو ایسی صورت میں قرض ادا کرنے کی خاطر اس کا ساز وسامان فروخت کردینا جائز ہے۔

☆من استعجل الشئی قبل اوانہ عوقب مجرمانہ ☆

قاعدہ نمبر ۳۰:

"اِذَا اجْتَمَعَ الضَّرَرَانِ وَكَانَ اَحَدُهُمَا اَعْظَمَ ضَرَرًا مِنَ الْاٰخَرِ فَاِنَّ الْاَشَدَّ يُزَالُ بِالْاَخَفِّ"

(جب دو نقصان جمع ہو جائیں درآنحالانکہ ایک ضرر دوسرے کی نسبت بڑا ہو تو اخف کے ساتھ اشد کا ازالہ کیا جائے گا یعنی (وہ ضرر اور نقصان جو کم ہو اسے برداشت کیا جائے گا اور وہ پہلو جس میں نقصان اور ضرر زیادہ ہو اسے ترک کر دیا جائے گا)۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے لکڑی غصب کی اور اسے مکان کی چھت وغیرہ میں استعمال کر لیا تو اس صورت میں مغصوبہ لکڑی اور بقیہ مکان کی قیمت کا باہم موازنہ کیا جائے گا اگر لکڑی کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب پر مکان اکھیڑ کر لکڑی اصلی مالک کو واپس کرنا لازم ہے اور اگر اس کے برعکس مکان کی قیمت لکڑی کی نسبت زیادہ ہو تو لکڑی کی قیمت ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہوگا اور اسے مکان اکھیڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں اس کا نقصان زیادہ ہے۔

۲۔ اگر کسی نے مغصوبہ زمین میں مکان بنا لئے یا درخت وغیرہ لگا دیئے تو اس صورت میں بھی مغصوبہ زمین اور مکان یا درختوں کی قیمت کا باہم موازنہ کیا جائے گا اگر زمین کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے مکان اور درخت وغیرہ اکھیڑ لے اور زمین اصلی مالک کے سپرد کر دے اور اگر صورت اس کے برعکس ہو تو وہ زمین کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی اپنا سامان کسی کے گھر بھول جائے اور یاد آنے پر جب واپس آئے تو اسے یہ خدشہ ہو کہ اگر سامان کے متعلق صاحب خانہ سے دریافت کیا تو وہ صحیح رہنمائی کرنے کی بجائے اسے چھپا دے گا تو ایسے حالات میں اپنے سامان کی تلاش کے لئے بلا اجازت اس کے گھر داخل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ یہ ضرر سامان گم ہونے کی ضرر کی نسبت اخف ہے۔

۴۔ اگر کسی مردار کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس کے زندہ ہونے کا گمان غالب ہو تو اس صورت میں بچے کی زندگی بچانے کے لئے مردار کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے۔ مگر اس کے برعکس اگر کوئی

انسان موتی، سونا یا کوئی قیمتی چیز نگل جائے تو اسے نکالنے کے لئے انسان کا پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔ "لِاَنَّ حُرْمَةَ الْاٰدَمِيِّ اَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْمَالِ" (کیونکہ آدمی کی حرمت مال کی حرمت سے زیادہ ہے)۔

۵۔ اگر کسی میت یا بچے کا قرض کسی کے ذمہ واجب الادا ہو مگر قرض کے شاہد موجود نہ ہوں اور مقروض بھی مقدار معلوم کا منکر ہو تو ایسی صورت میں وہ جتنا قرض واپس کرنے کے لئے تیار ہو اتنا ہی لے لیا جائے کیونکہ کلی قرض سے محروم ہونے کی نسبت یہ ضرر کم ہے اور اگر اس کے برعکس قرض کی مقدار معلوم پر گواہ موجود ہوں تو پھر نقصان اٹھا کر کم وصول کرنا صحیح نہیں۔

قاعدہ نمبر ۳۱:

"اَلتَّاسِيْسُ خَيْرٌ مِنَ التَّاكِيْدِ"

(تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے)۔

تاسیس کی تعریف:

تاسیس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں وہ الفاظ جو مکرر (دوبارہ) ذکر کئے جائیں ان سے ایک نیا معنی مراد لیا جائے۔

تاکید کی تعریف:

اس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں وہ الفاظ جو مکرر ذکر کئے جائیں ان سے پہلے معنی کی ہی وضاحت اور تعیین مقصود ہو۔

مذکورہ تعریفات کے بعد قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کلام میں الفاظ کی نوعیت اس طرح ہو کہ ان سے تاسیس اور تاکید دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہوں تو پھر ایسی صورت میں تاکید کی نسبت تاسیس مراد لینا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے بیوی سے کہا "اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ" تو اس قول سے تین طلاقیں واقع ہونگی۔

اگر چہ خاوند نے یہ بھی کہا کہ لفظ طلاق بار بار کہنے سے میری مراد صرف تاکید تھی اور میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی تو اس قول کی تصدیق دیانۃً تو کی جائے گی مگر قضاءً نہیں۔

۲۔ اگر کسی نے متعدد قسمیں اٹھائیں اور پھر کہا میں نے صرف ایک قسم کی نیت کی ہے اور دوسری تاکید کے لئے کہیں ہیں تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بلکہ اس نے جتنی قسمیں کھائیں انہیں توڑنے سے اتنے ہی کفارے لازم ہوں گے۔ جیسا کہ تجرید میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول موجود ہے:

"اِذَا حَلَفَ بِاَیْمَانٍ فَعَلَیْهِ لِکُلِّ یَمِیْنٍ کَفَّارَۃٌ وَالْمَجْلِسُ وَالْمَجَالِسُ فِیْهِ سَوَاءٌ وَلَوْ قَالَ عَنَیْتُ بِالثَّانِیْ اَلْاَوَّلَ لَمْ یَسْتَقِمْ ذَالِکَ فِی الْیَمِیْنِ بِاللّٰہِ تَعَالٰی"

(جب کسی نے کئی قسمیں اٹھائیں تو اس کے ذمہ ہر قسم کے عوض کفارہ ہوگا چاہے ایک مجلس میں اٹھائے یا کئی مجالس میں اور اگر اس نے کہا میں نے دوسری سے پہلی قسم ہی مراد لی تھی تو اس کا یہ قول یمین باللہ میں درست نہیں ہوگا)

اسی طرح "نوازل" میں ہے کہ اگر کسی نے کہا:

"وَاللّٰہِ لَا اُکَلِّمُهٗ یَوْمًا وَاللّٰہِ لَا اُکَلِّمُهٗ شَهْرًا. وَاللّٰہِ لَا اُکَلِّمُهٗ سَنَةً"

یہ قسمیں کھانے کے بعد اگر اس نے اسی دن کلام کی تو اس پر تین قسموں کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر دوسرے دن کلام کی تو پھر دو قسموں کا کفارہ واجب الادا ہوگا اور اگر ایک ماہ بعد کلام کی تو پھر ایک قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر پورا سال گزرنے کے بعد کلام کی تو پھر اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے تینوں قسموں کو پورا کر دیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۲:

"اَلسُّؤَالُ مَعَادٌ فِی الْجَوَابِ"

(سوال جواب میں لوٹ آتا ہے)۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے زید سے کہا:

"أَامْرَأَةُ زَيْدٍ طَالِقٌ وَعَلَيْهِ الْمَشْيُ اِلٰى بَيْتِ اللهِ تَعَالٰى الْحَرَامِ اِنْ دَخَلَ هٰذِهِ الدَّارِ"

(اگر زید اس گھر میں داخل ہوا تو کیا اس کی بیوی کو طلاق ہوگی اور بیت اللہ شریف تک پیدل چلنا اس پر لازم ہوگا؟)

تو اگر اس سوال کے جواب میں زید نے کہا "نَعَمْ" (جی ہاں) تو "كَانَ زَيْدٌ حَالِفًا بِكُلِّهٖ" زید ان تمام کی قسم اٹھانے والا ہو جائے گا یعنی بعد ازاں اگر زید اس گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق بھی ہو جائے گی اور اس پر بیت اللہ شریف کی پیدل حاضری بھی لازم ہوگی کیونکہ لفظ "نعم" سے اس کا جواب سوال کے اعادہ کو متضمن ہے۔ اور اگر مذکورہ سوال کا جواب اس نے "اجزت ذالک" (کہ میں نے اسے جائز قرار دیا) کے ساتھ دیا اور اس کے ساتھ لفظ نعم نہ کہا تو وہ کسی بھی چیز کا حالف متصور نہیں ہوگا کیونکہ اس کے یہ الفاظ اعادہ سوال کو متضمن نہیں۔

۲۔ اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا "أَاَنَا طَالِقٌ" (کیا مجھے طلاق ہے؟) تو اگر اس کے جواب میں خاوند نے کہا "نعم" تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ حقیقتاً یہ جواب ان الفاظ کو متضمن ہے۔ "نَعَمْ اَنْتِ طَالِقٌ" (جی ہاں تجھے طلاق ہے؟)

۳۔ اگر کسی نے یہ سوال کیا "أَلَسْتَ طَلَّقْتَ اِمْرَأَتَكَ" (کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی) تو اس کے جواب میں اس نے کہا "بَلٰى" (کیوں نہیں) تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ جواب سوال کے اثبات میں ہے اور ان الفاظ کو متضمن ہے "بَلٰى طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِيْ" (کیوں نہیں میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے) اور اگر اس نے مذکورہ سوال کا جواب نعم کے ساتھ دیا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ جواب سوال کی نفی میں ہے اور سوال کے اعادہ کو متضمن نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے۔ "نَعَمْ مَا طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِيْ" (جی ہاں میں نے طلاق نہیں دی)۔

(جاری ہے)

☆الضرر لا يزال بالضرر نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا☆